

چند معروف مگر موضوع احادیث (۱)

تحقیق و تحریر: مولانا محمد شہزاد مجددی سیفی

مہتمم دارالاحیاء، ریلوے روڈ، لاہور

علم حدیث کے ماہرین نے احادیث و روایات کی جانچ اور پرکھ کے کچھ اصول وضع کیے ہیں۔ کسی روایت کے قبول و عدم قبول کے لئے ان اصولوں اور ضابطوں کی پابندی اشد ضروری قرار دی گئی ہے۔ اور اس پر علمائے امت ہمیشہ سے متفق چلے آ رہے ہیں۔ کسی روایت پر صحت اور ضعف کا حکم لگانے کیلئے جن قواعد و ضوابط کی پابندی کی جاتی ہے اصطلاح محدثین میں انہیں ”جرح و تعدیل“ کہا جاتا ہے۔ یعنی راوی کے اندر موجود نقائص اور خامیوں کا پتہ چلانے کیلئے جرح ہوتی ہے اور اس کی خوبی اور ثقاہت کا اظہار مقصود ہوتا (تعدیل) ہوتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کے ساتھ ساتھ صاحب قرآن کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا ہے۔ لہذا کلام نبوی ﷺ کے تحفظ کیلئے اس امت میں ایسے رجال کار اور مردان خدا پیدا کیے گئے جن سے خدمت حدیث کا کام لیا گیا اور انہیں ایسی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے بہرہ ور کیا گیا جو اس میدان میں گرانقدر کارنامے انجام دینے کیلئے ناگزیر تھیں۔

حدیث نبوی ﷺ کا اپنی درست اور اصل حالت میں امت مسلمہ اور نسل انسانی تک پہنچنا کس قدر ضروری اور اہم تھا اس کا بیان محتاج وضاحت نہیں۔ اتنا کافی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب بشارت و وعید دونوں لمحوں میں دلائی ہے۔ چنانچہ ابلاغ کی تحریک دیتے ہوئے فرمایا:

”فلیبلغ الشاہد منکم الغائب“ (متفق علیہ بخاری، کتاب العلم)

(پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچا دے)

صحیح اور ٹھیک ٹھیک پہنچانے والے کو بشارت سے نوازتے ہوئے فرمایا:

”نضر اللہ امراسمع مناشینا فبلغہ کما سمع“ (ترمذی، کتاب العلم)

(اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کچھ نا اور اسے ٹھیک ٹھیک آگے

پہنچایا)

اور کسی قول یا کلام کو آپ ﷺ کی طرف غلط منسوب کرنے والے کو وعید سنائی:

”من یقل علی مالہ اقل فلیتبو امقعدہ من النار“

(بخاری کتاب العلم رقم ۱۰۶)

(جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی تو اس نے

اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا)

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”من كذب على متعمداً فليتبوا مقعده من النار“

(بخاری کتاب العلم)

(پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچا دے)

حضرات صحابہ کرام بھی روایت حدیث میں کمال احتیاط سے کام لیتے تھے یہی حال تابعین اور اتباع تابعین کا بھی رہا بعد ازاں زمانہ خیر سے دوری کی وجہ سے برکات اٹھتی رہیں اور طبیعتیں نفاست و لطافت سے محروم ہوتی چلی گئیں اس کے نتیجے میں کئی خرابیوں نے جنم لیا۔ ایسی ہی ایک خرابی وضع حدیث کا رجحان بھی ہے اسلام دشمنوں نے بھی اس تحریک کو خوب تقویت دی اور خود بھی اس کا حصہ رہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن توجہ دلوانے کیلئے اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ واضعین حدیث میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو بظاہر اہل خیر میں سے تھا اور عوام الناس کی خیر خواہی کے جذبے سے احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ فی اللعجب۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

ائمہ محدثین میں سے ایسے باکمال لوگ اٹھے جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیا۔ دیگر شعبہ جات کے علاوہ محدثین میں سے جرح و تعدیل کے ماہرین اور حفاظ نے واضعین حدیث کا پورا تعاقب کیا اور اس فن کے حوالے سے مستقل تصانیف سامنے لائے اور امت کی کامل رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ علامہ ابن جوزیؒ کی ”کتاب الموضوعات“، زرکشیؒ کی ”الآلہ الممنشورہ“، امام سخاویؒ کی ”المقاصد الحسنہ العجلونی کی“ کشف الخفاء، امام سیوطیؒ کی ”الآلہ المصنوعہ“، محمد بن طاہر پٹنیؒ کی ”تذکرۃ الموضوعات“ اور ملا علی قاریؒ کی ”موضوعات صغیر ہو کبیر یعنی“ الاسرار المرفوعہ“ اور المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع“ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

ان کے علاوہ بھی اہل علم نے اس موضوع پر متعدد گرانقدر تالیفات چھوڑی ہیں۔ یہاں یہ بات اگر دہرا دی جائے تو بے محل نہیں ہوگا کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف محدثین کے نزدیک قابل قبول ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک حدیث ضعیف

کی قبولیت مشروط ہے۔ چنانچہ امام سخاویؒ فرماتے ہیں، میں نے اپنے شیخ ابن حجر عسقلانی سے بارہا سنا ہے:

”شروط العمل بالحديث ثلاثة الاول (متفق عليه) وهوان يكون الضعف غير شديد الثاني ان يكون مندرجات تحت اصل عام، والثالث ان لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الى النبي ﷺ ما لم يقله“ (القول البديع ۱۹۵، الاجوبة الفاضله)

(حدیث ضعیف پر عمل کی تین شرطیں ہیں، پہلی یہ کہ بہت شدید ضعیف نہ ہو (اس پر سب کا اتفاق ہے) دوسری یہ کہ عام شرعی اصول و قواعد کے مطابق ہو، تیسری یہ کہ اس پر عمل کرتے وقت اس کے قوی طور پر ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب ہو جائے جو آپ نے نہیں فرمائی) حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

”قال الحافظ جلال الدين السيوطي اتفق العلماء الحديث على انه لا يحل رواية الموضوع في اي معنى كان الامر ونا ببيان وضعه“ (موضوعات کبیر ۹) (ائمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع (جعلی) روایت کا بیان کرنا حلال نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کی وضعیت کا اظہار مقصود ہو)

آج کل تقریر و تحریر میں اس بے احتیاطی کی بھرمار ہے، واعظین اور قصہ گو قسم کے مقررین کا یہ عام وتیرہ ہے کہ وہ بغیر علم کے احادیث بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ محافل میلاد و نعت میں اسٹیج سیکرٹری اور نقیب قسم کے لوگ تو چل ہی اس قسم کی خرافات پر رہے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع“ (کسی شخص کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کر دے)

ایک روایت میں ”كفى بالمرء اثما“ کے الفاظ ہیں۔

افراط تجاہل کی فضا میں ہم ائمہ محدثین کی رہنمائی میں ایسی روایات کی نشاندہی کا فریضہ سرانجام دینا ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں اور انہیں احادیث کہہ کر سنا سنایا اور لکھا پڑھا جاتا ہے۔ ان موضوع روایات میں سے ایک مشہور قول ہے:

”الفقر فخری وبہ افتخر“

(فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ منخر ہوں)

اس قول کی شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اچھے اچھے اہل علم اپنی تصنیفات و مقالات میں اسے نقل کر کے اس سے استشہاد کرتے ہیں اور نعت گو شعراء اپنے کلام میں اس مضمون کو منظوم انداز میں پیش کرتے ہیں۔

علامہ اقبال کا معروف مصرع ہے:

سماں ”الفقر فخری“ کا رہا شان امارت میں

ایک معاصر نعت گو شاعر لکھتے ہیں:

ہیں امت اس کی ہم ”الفقر فخری“ جس نے فرمایا

اترتے کیوں نہیں پھر حشمت و نخوت کے مرکب سے

سلسلہ سہروردیہ کے ایک فاضل صوفی بزرگ نے تصوف اور اہل تصوف کے دفاع میں ایک

کتاب تالیف فرمائی جس کا عنوان ہی ”الفقر فخری“ ہے۔ یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے اس کے اندرونی نائٹیل پیج پر ایک شعریوں درج ہے:

کروں مال و زر کی میں کیوں ہوس مجھے اپنے فقر پہ فخر بس

یہی حرز جان فقیر ہے یہی ”قول شاہ حجاز“ ہے

الغرض کہ اس موضوع اور باطل روایت کو ایسے ایسے بزرگوں نے ”قول شاہ حجاز“ ہی سمجھا اور

اپنی تحریر و تقریر میں اسے بالاتزام جگہ دی۔ آئیے ائمہ محدثین اور ماہرین اصول حدیث کے اقوال و آراء کی روشنی میں اس قول کا تنقیدی جائزہ لیں۔

حضرت امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

”الفقر فخری وبہ افتخر، وهذا الحديث سئل عنه الحافظ ابن

تیمیہ فقال انه كذب لا يعرف في شئ من كتب المسلمين

المروية، وجزم الصغاني بانه موضوع (تلخیص الحیبر ۳/۱۰۹)

(اس حدیث الفقرفقری کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، یہ جھوٹ ہے، مسلمانوں کے ذخیرہ مرویات میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی گئی، اور امام الصغانی بھی اس کے موضوع (جعلی) ہونے کی تائید کی ہے۔)

امام عسقلانیؒ نے حضور اکرم ﷺ سے مروی ایک اور معروف روایت یہاں نقل کر کے وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ کی طرف منسوب ”فقرو مسکنت“ کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللهم احیني مسکینا وامتنني مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین“

(اے اللہ مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما)

اس روایت کو امام ترمذیؒ نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طرق سے روایت کیا ہے:

”وقال البيهقي“ ووجهه عندی انه لم یسال حال المسکنة التي یرجع معناها الی القلة، وانما سال المسکنة التي یرجع معناها الی الاخبات والتواضع“ (تلخیص الحییر، ۱۰۹/۳، سنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۰/۹۷)

(امام بیہقی کہتے ہیں، میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے، بلکہ آپ ﷺ نے اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے)

ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور ﷺ کا فقر سے استعاذہ اور پناہ مانگنا ثابت ہے، اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں فقر سے استعاذہ کے الفاظ یوں مروی ہیں:

”اللهم اعوذ بک من فتنة الفقر (بخاری الدعوات، رقم ۵۸۹۱، مسلم فی الذکر والدعاء، رقم ۴۸۷۷)

(اے اللہ میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں)

سنن ابی داؤد میں عبدالرحمن بن ابی بکرہ کی روایت میں دعائیہ کلمات یوں ہیں:

”اللهم انی اعوذ بک من الکفر والفقر“ (ابوداؤد ۴/۳۲۳ رقم ۵۰۹۰)

(اے اللہ میں کفر و فقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں)

یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائق عبرت بھی ہے اور محل تنبیہ بھی۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے:

”ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں (کفر اور فقر) برابر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں“

مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

”تعوذ باللہ من الفقر“ (احمد رقم ۱۰۷۴۳، ابن حبان ۱/۲۳۹ رقم ۹۷۹)

(فقر سے اللہ کی پناہ مانگو)

سنن نسائی میں ہے:

”تعوذ من الفقر والفاقة“ (النسائی رقم ۵۴۴۵)

(فقر و فاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو)

حاکم نے مستدرک اور بیہقی نے سنن میں ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے:

”فان اشقی الاشقیاء من اجتمع علیہ فقر الدنیا وعذاب

الآخرة“ (سنن الکبریٰ ۱۰/۹۸ رقم ۱۳۳۰، مستدرک ۴/۲۵۸ رقم ۷۸۳)

(بے شک سب سے بڑا بد بخت وہ ہے جس پر دنیا کا فقر اور آخرت کا عذاب

جمع ہوں۔ یعنی جوان دونوں میں مبتلا کیا جائے) (نعوذ باللہ)

اسی طرح ایک ضعیف الاسناد روایت ان الفاظ سے معروف ہے:

”کاد الفقرا ان یکون کفرا“ (بیہقی فی الشعب، ابن عدی، مجمع الذوائد

۸/۷۸، الآلی المنشورہ ۱۰۷، ضعیف الجامع رقم ۴۱۴۸)

(قریب ہے کہ فقر کفر تک لے جائے)

الغرض احادیث صحیحہ میں فقر سے پناہ و نجات اور برات کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے لئے موجود مذکور اور منصوص فضائل

کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا بلکہ ہر جگہ ”ولا فخر“ ”ولا فخر“ کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہار عبودیت اور تواضع فرمایا ہے۔

امام شمس الدین السخاویؒ رقم طراز ہیں:

”الفقر فخری وبہ افتخر“ (باطل موضوع) (مختصر المقاصد الحسنہ، رقم ۲۹۲)
 (الفقر فخری..... الخ باطل اور گھڑی ہوئی روایت ہے)

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

”الفقر فخری وبہ افتخر“ قال العسقلانی هو باطل موضوع
 وقال ابن تیمیہ هو کذب“ (موضوعات کبیر، حرف فاء، ص ۵۰)
 (نقد میر افتخر ہے..... الخ عسقلانی نے اسے باطل اور موضوع کہا ہے اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے)

شیخ محمد بن طاہرؒ لکھتے ہیں:

”الفقر فخری بہ افتخر“ قال شیخنا هو باطل موضوع
 (الفقر فخری..... ہمارے شیخ نے اسے باطل و موضوع کہا ہے)

مزید لکھتے ہیں

اسے الصفغانی نے بھی موضوع کہا ہے“ (تذکرۃ الموضوعات، ص ۱۷۸)
 شیخ العجلویؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

”قال الحافظ ابن حجر باطل موضوع“ وقال فی التیمییز
 کالمقاصد ومن الواہی فی الفقر للطبرانی عن شداد ابن
 اوس رفعہ ”الفقر اذین بالمؤمن من العذار الحسن علی خد
 الفرس“ وقال ابن تیمیہ کذب وسندہ ضعیف والمعروف
 انه من کلام عبدالرحمن بن زیاد بن انعم کما رواہ ابن
 عدی فی کاملہ“ (کشف الخفاء تحت الحرف الفاء، رقم ۱۸۳۵)

(حافظ ابن حجرؒ نے اسے باطل و موضوع کہا ہے، تمییز میں مقاصد الحسنہ ہی کی
 طرح (صاحب تمییز) نے کہا کہ فقر کے بارے میں روایات واہیہ میں سے
 ایک وہ روایت ہے جسے طبرانی نے شداد بن اوس سے مرفوعاً روایت کیا ہے

کہ فقر مومن کیلئے گھوڑے کے رخسار پر خوبصورت نشان سے زیادہ موزوں ہے۔ ابن تیمیہؒ نے اسے کذب کہا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ جبکہ مشہور یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن بن زیاد بن انعم کا قول ہے۔ جیسا کہ ابن عدی نے اسے اپنی کامل میں روایت کیا ہے)

شارح بخاری امام احمد القسلائی لکھتے ہیں:

”واما ما یروی انه ﷺ قال ”الفقر فخری وبه افتخر“ فقال شیخ الاسلام والحافظ ابن حجر، هو باطل موضوع“ (المواہب اللدنیہ ۲/۱۲۶)

(اور یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”الفقر فخری..... الخ تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے باطل و موضوع کہا ہے)

تاہم مزید کیلئے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کی تحقیق بھی ملاحظہ فرمائیے:

”حضور اقدس قاسم نعم مالک الارض و رقاب امم، معطی منعم، قشقم قیم ولی والی، علی عالی، کاشف الکرب، رافع الرتب، معین کافی، حفیظ وانی، شفیع شانی، عفوعافی، غفور جمیل، عزیز جمیل، وہاب کریم، غنی عظیم، خلیفہ مطلق حضرت رب، مالک الناس و دیان العرب ولی الفضل، جلی الافضال، رفیع الملش، ممتنع الامثال ﷺ کی شان ارفع و اعلیٰ میں الفاظ مذکورہ (یتیم، غریب، مسکین، بیچارہ) کا اطلاق ناجائز و حرام ہے“

خزانۃ الاکمل مقدسی ورد المختار و اخر شتے میں ہے:

”و یجب ذکرہ ﷺ باسماء معظمۃ فلا یجوز ان یقال انه فقیر غریب مسکین“

(حضور ﷺ کا ذکر عزت و تکریم والے ناموں سے کرنا واجب ہے اور اس طرح کہنا جائز نہیں کہ آپ ﷺ فقیر غریب اور مسکین تھے)

نسیم الریاض ج ۴ ص ۴۵۰ میں ہے:

”الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لا یوصفون بالفقر ولا یجوز ان یقال لنبینا ﷺ فقیر و قولہم عنه ”الفقر فخری“ لا

اصل له کما تقدم

(انبیاء کرام علیہم السلام کو فقر سے موصوف نہ کیا جائے اور یہ جائز نہیں کہ ہمارے آپ ﷺ کو فقیر کہا جائے رہا لوگوں کا ”الفقر فخری“ کو آپ ﷺ سے مروی کہنا تو اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے)

اسی کے صفحہ ۳۷۸ میں ہے:

”قال الزركشي كالسبكي لا يجوز ان يقال له ﷺ فقير او مسكين وهو اغنى الناس بالله تعالى لاسيما بعد قوله تعالى ”ووجدك عائلا فاغني“ وقوله ﷺ ”اللهم احيني مسكينا“ اراد به المسكنة القلبية بالخشوع“ والفقر فخری“ باطل لاصل له..... كما قال الحافظ ابن حجر عسقلاني

(امام بدرالدین زرکشی نے امام سبکی کی طرح کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ آپ ﷺ کو فقیر یا مسکین کہا جائے آپ ﷺ کے فضل سے لوگوں میں سب سے زیادہ بڑے غنی ہیں خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”ہم نے آپ کو حاجب مند پائاوغنی کر دیا“ کے نزول کے بعد ”رہا آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ ”اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ..... الخ“ تو اس سے مراد باطنی مسکنت کا خشوع کے ساتھ طلب کرنا ہے اور ”الفقر فخری“ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے۔ (الفتاویٰ الرضویہ ج ۶ ص ۱۲۶ مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا بریلوی نے ”کتاب الشفاء“ قاضی عیاض کے حوالے سے یہ صراحت کی ہے کہ ترکار دو عالم ﷺ کی ذات والا صفات کے لئے نازیبا اور غیر موزوں اسماء و صفات کا استعمال حکایت بھی ناجائز و ممنوع ہے اسی طرح بارگاہ رسالت میں گستاخی و بے ادبی اگرچہ سہوئاً جہالت و لاعلمی کے باعث ہی ہوا تلق گرفت اور ناقابل معافی جرم ہے۔

لوسانس بھی آہستہ یہ دربار نبی ہے

خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

اسلامی ریاست میں عوام کے حقوق و فرائض

ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر ایسوسی ایٹ پروفیسر

تحریر:

شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور۔

ریاست کا مفہوم:

انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز کے مطابق ریاست کی مختصر تعریف یہ ہے۔ ”انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم جو مشترکہ مقاصد کے لیے مل جل کر کام کرتے ہیں۔“

جرمن قانون دانوں کے نزدیک ”ریاست ایک قانونی اکائی ہے“۔

شاہ ولی اللہ اسلامی ریاست کی تعریف یوں کرتے ہیں: ”اہل مدینہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک ہی نظام و تمدن کے تابع اور پابند ہوں اور باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کریں اس جماعت کو اگرچہ وہ مختلف شہروں میں رہتے ہوں شخص واحد سمجھا جاتا ہے۔“

اسلامی ریاست میں عوام کے حقوق:

اسلامی تعلیمات کی رو سے ریاست کے شہریوں کے کچھ بنیادی حقوق ہیں ان کی ادائیگی اسلامی ریاست کا فریضہ ہے اور اگر کوئی شہری محسوس کرے کہ اسکے بنیادی حقوق اسے نہیں مل رہے یا ان میں سے کوئی حق اس سے چھین گیا ہے تو اسلام نے اپنے آزاد نظام عدل میں اس بات کی واضح اور کھلی گنجائش رکھی ہے کہ شہری قانوناً وہ حقوق حاصل کر لیں۔ اسلامی قانون سیدھا سادا اور انصاف بے لاگ اور سستا ہے جسکے حصول کے لیے کسی قسم کی ہوشیاری یا سفارش کی ضرورت نہیں، کوئی شخصیت طبقہ یا حاکم حتیٰ کہ امیر المومنین بھی عام قانون سے بالاتر نہیں ہے اسے بوقت ضرورت عدالت میں طلب کیا جاسکتا ہے اور وہ اللہ کے علاوہ عوام کے سامنے بھی جواب دہ قرار دیا گیا ہے۔

از روئے اسلام شہریوں کے اہم حقوق:

۱۔ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت: اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام الناس کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اسلامی ریاست اللہ اور اسکے رسولؐ کی نیابت میں ہر اس فرد کے جان و مال کی محافظ ہے جس نے اس کی شہریت قبول کی ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”من صلاتنا واستقبل قبلتنا واكمل ذبیحتنا فذلک المسلم

الذی له ذمة الله وذمة رسول الله فلا تخفروا الله في ذمته“۔

(جس نے ہمارے طریقہ پر نماز پڑھی۔ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ اور اسکے رسولؐ کا ذمہ قائم ہو چکا ہے تو اللہ کے ساتھ اسکی دی ہوئی ضمانت میں دعا بازی نہ کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا۔ (المائدہ ۵: ۳۲)
جو شخص کسی کو بغیر اسکے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد فلانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔

”وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ“ (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳)
اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرو۔

حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن و سکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی اور مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے۔
خطبہ حجۃ الوداع میں نبی پاکؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون مال اور تمہاری آبروئیں حرام کر دی ہیں اور ان چیزوں کو وہی حرمت بخشی ہے جو حرمت تمہارے اس شہر اس مہینہ اور اس دن کو حاصل ہے۔ مگر شرعی حق کے سلسلہ میں یہ بات باقی نہیں رہے گی۔ ۵۔

جس طرح جان کی حفاظت، معاشرہ کی پائیداری اور استحکام کے لیے ضروری ہے اسی طرح مال کی حفاظت بھی اس وجہ سے اسلام نے مال و دولت کے حصول کے لیے جائز ذرائع بھی بیان کر دیے اور ناجائز ذرائع بھی تاکہ معاشرہ میں اس مال کی غلط تقسیم اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے ناہمواریاں پیدا نہ ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء ۴: ۲۹)
اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَكُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔

اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو تمہیں ہم نے رزق دیا (البقرہ ۲: ۵۷)

نبی پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جان مال اور عزت کی حرمت کو واجب قرار دیا

اسلام حق ملکیت کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ ہر شہری جس چیز کا از روئے شرع جائز طور پر مالک ہے اس میں اسکی ملکیت محفوظ ہے۔ کسی کو بھی، حتیٰ کہ حکومت کو بھی اس میں کسی بھی قسم کی مداخلت کا حق نہیں ہے۔ قاضی ابویوسف کا فرمان ہے:

”ولیس للامران یخرج شیئاً من احد الا بحق ثابت معروف“ (الف)

امام (سربراہ ریاست) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی ثابت قانونی حق کے بغیر کسی کے قبضہ سے کوئی چیز نکال لے (چھین لے)۔

بعض دفعہ ہنگامی حالت میں یا کسی اجتماعی ضرورت کے لیے اگر کسی کی ذاتی ملکیت پر حکومت قبضہ کرے گی تو یا تو مالک کی مرضی سے ایسا کرے گی یا اسکا معقول معاوضہ اسے دینا ہوگا۔ نبی پاک ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ جسکے دلائل کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔

نبی پاک ﷺ نے مسجد نبوی کو تعمیر کے لیے زمین دو یتیم بچوں سے خریدی۔ (ب) یہاں یہ بات مد نظر رکھنا لازم ہے کہ اسلام ان بنیادی حقوق کے معاملے میں اپنے مسلم اور غیر مسلموں شہریوں میں کوئی امتیاز نہیں برتتا۔ غیر مسلم شہریوں کی جان و مال، عزت و آبرو اور ذاتی ملکیت بھی اس طرح محترم ہے جس طرح مسلم شہریوں کی۔ اسلام نے نسل انسانی کو عظمت اور شرف کے بلند مینار پر کھڑا کیا ہے۔ اسی لیے فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل ۷۰: ۷۱)

یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی۔

یہ شرف و فضل، بحیثیت انسان کے ہر انسان کو حاصل ہے۔ مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے جس طرح کی شکل و صورت، قد و قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو دی گئی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں جسکے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام چیزوں کو انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے چاند سورج، ہوا پانی دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔

نبی پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا:

کھل المسلم علی المسلم حرام ذمہ و مالہ و عرضہ۔ یعنی مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اسکا خون بھی اسکا مال اور اسکی آبرو بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی جائز قانونی ثبوت کے بغیر کسی شہری کو اسکے حق سے محروم نہیں

کیا جاسکتا۔

شخصی آزادی

اسلامی ریاست میں ہر شخص کو شخصی آزادی حاصل ہے جب تک کہ وہ دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں استعمال نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الامیر اذا ابتغى الریبة فی الناس افسد ممر۔

امیر جب لوگوں کے درمیان شبہات تلاش کرے تو انکو بگاڑ دیتا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اس موضوع پر اظہار رائے کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”پھر اسلام کی رو سے“ چونکہ حکومت کوئی مقصود بالذات شے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک

ذریعہ ہے اس بات کا کہ شہریوں کو رائے و عمل کی وہ آزادی بہم پہنچائی جائے جو اسلام

نے افراد و معاشرہ کو بخشی ہے تاکہ آزمائش کی وہ غرض کا حق پوری ہو سکے جس کی خاطر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کسی غیر معمولی حالت (State

of Emergency) میں بھی حکومت کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ انصاف کی شرطیں

پوری کئے بغیر کسی شہری کی آزادی کو سلب یا محدود کرے۔

حضرت بہر بن حکیم نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی جب کہ آپ خطبہ ارشاد

فرما رہے تھے کہ میرے پڑوسی کو کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے آپ نے حکم دیا کہ اسکے پڑوسی کو چھوڑ دو۔

اسلامی ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عدالتی و قانونی ثبوت کے بغیر کسی کی شخصی آزادی میں

مداخلت کرے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔

نہ یہ بات جائز ہے اور نہ اسکے جائز ہونے کی کوئی گنجائش کہ کسی شخص کو محض اس بناء پر حوالات میں

ڈالا جائے کہ کسی شخص نے اس پر الزام لگایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مجرد الزام کی بناء پر کسی شخص کو گرفتار نہیں

کرتے تھے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا جائے اگر مدعی کے

پاس ثبوت موجود ہے تو اسکے حق میں فیصلہ دے دیا جائے ورنہ مدعا علیہ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سے مخاطب ہو کر فرمایا ”متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم

امہانہم احراراً“ ۱۲۔

آپ کے اس فرمان کو مولانا ظفر علی خانؒ یوں بیان کیا ہے۔

آدمی پیدا آزاد ماں کے پیٹ سے

کب سے تم لوگوں نے سمجھا ہے غلام آزاد کو

مسلم اور مذہب کی آزادی

اسلامی ریاست کی بنیاد عقیدہ اسلام ہے لیکن اسکے اندر فکر و رائے اور مسلک و مذہب کی آزادی کے لیے بڑی وسعت و گنجائش ہے۔ اسلامی ریاست اپنا نصب العین حقیقی اسلام کو بتاتی ہے لیکن وہ ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتی ہے بشرطیکہ کوئی شخص اس اختلاف رائے کو فتنہ و فساد اور خون ریزی کا ذریعہ نہ بنائے خلافت راشدہ میں بالخصوص حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں اس اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی روشن مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ“ (بقرہ ۲: ۲۵۶) دین میں کوئی جبر نہیں۔

اور یہ بھی ارشاد ہے:

”لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ“ (الکافرون ۱۰۹: ۶)

جہاں تک غیر مسلم باشندوں کا تعلق ہے۔ ان کو عقیدہ مسلم اور رسومات و عبادات میں پوری طرح آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اور ان کے ساتھ صرف عادلانہ نہیں بلکہ فیاضانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ عقائد اور افکار و نظریات کے واضح تضاد کے باوجود جتنی مذہبی آزادی اسلام اپنے غیر مسلم باشندوں کو دیتا ہے اتنی آزادی دنیا کے کسی قانون میں مذہبی مخالفین کو نہیں دی گئی۔

قانونی مساوات

اسلامی نقطہ نگاہ سے ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، غلام ہو یا آزاد، قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاَحْكُم بَيْنَهُم بِمَا نَزَّلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْرٍ عَمَّا جَاءَكَ

مِنْ الْحَقِّ۔ (المائدہ ۵: ۴۸)

پس آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ

کریں اور اس حق سے ہٹ کر جو آپ کے پاس آ گیا ہے ان کی خواہشوں

کے پیچھے نہ جائیے۔ یہ بھی ارشاد ہے۔

”إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ“

(المجادلہ: ۵۸: ۲۰)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز خاندان بنو مخزومیہ کی عورت نے چوری کی۔ اس عورت کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے حضرت اسامہؓ کو نبی پاکؐ کی خدمت میں سفارش کے لیے بھیجا گیا۔ جب حضرت اسامہؓ نے سفارش کی تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

”يَا اسامة تشفع في حد من حدود الله؟ کیا تم اللہ کے حدود میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اعلان فرمایا کہ پچھلی امتیں اس لئے تباہ و برباد ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اسکو سزا دیتے اور اگر کوئی با اثر آدمی چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیا جاتا۔ پھر آپؐ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا:

والذى نفسى بيده لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطععت يدها۔

(اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اگر بالفرض فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو اسکا ہاتھ کاٹ دیتا۔ ۱۳)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد پہلے ہی خطبہ میں اور اعلان فرمایا:

ان اقوامى عندى الضعيف حتى اخذ منه الحق وان اضعفكم عندى القوى حتى اخذله بحقه۔ ۱۴

جبلہ بن ابیہم کا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے حج کے موقع پر ایک بدو کو تھپڑ مار دیا چونکہ وہ ایک دلی ریاست تھا۔ اسلامی قانون کے مطابق اسکی یہ سزا تھی کہ بدو اسکے منہ پر تھپڑ مارے۔ ولی ہونے کے ناطے اسکو یہ ناگوار گزری کہ اس سے بدلا لیا جائے۔ حضرت عمرؓ سے ایک رات کی مہلت مانگی۔ پھر رات کی تاریکی میں بھاگ نکلا اور مرتد ہو گیا۔ ۱۵

حضرت عمرؓ ایک بادشاہ کی مجروح انسانیت کی خاطر عدل و انصاف اور مساوات کا خون نہ

کر سکتے تھے۔

حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ کہ لوگو۔ میں عاملوں اور گورنروں کو تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں ماریں یا تمہیں لوٹیں بلکہ ان کو میں اس لیے بھیجتا ہوں تاکہ وہ تمہیں دین اور سنت بنی سکھائیں۔ اگر کسی کے ساتھ تعدی (زیادتی) ہوئی ہے تو وہ مجھے بتادے۔ اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے زیادتی کرنے والے سے اسکا قصاص ضرور دلوؤں گا۔ ۱۶

اقتصادی تعاون

اسلامی حکومت کا ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ ہر شہری کے لیے معاشی ترقی اور خوشحالی کے راستے برابر کھولے اور ان تمام راہوں کو مسدود کرے جن کے ذریعے انسان دوسرے کے حقوق تلف کر سکتا اور ناجائز طریقے سے تجوریوں کو بھر سکتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ (الروم: ۳۰)

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور پھر تم کو رزق دیا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الزخرف: ۳۳)

ان کی دنیاوی زندگی میں ہم نے انکی روزی تقسیم کر دی ہے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنِ (الحجر: ۲۰)

اور تمہارے لیے انکے روزی کا سامان پیدا کر دیا ہے اور اسکے لیے بھی جسے تم

رزق نہیں دیتے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ

فِيهَا مَعَايِشَ (الاعراف: ۱۰)

اور بے شک ہم ہی نے تو تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی اور انکے تمہارے لیے سامان

معیشت پیدا کئے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

انا وارث من لا وارث له اعقل له وارثه۔ محل

میں اسکا وارث ہوں جسکا کوئی وارث نہیں۔ انکی جانب سے دیت دوں گا اور

اسکا وارث ہوں گا۔

اسی حدیث کی روشنی میں علماء کرام نے کہا ہے کہ حکومت جس طرح اس شخص کی وارث ہوتی

ہے جس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اسی طرح وہ اس کا قرض ادا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے جبکہ قرض ادا کرنے کے لیے کوئی شے چھوڑے بغیر مر جائے۔ نیز اس کی زندگی میں کفالت کی بھی ذمہ دار ہے جسکی کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو۔ اگر کوئی بیوی بچے چھوڑ کر مرتا ہے تو ان کی کفالت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ اسلامی ریاست نے ہر ضرورت مند شہری کی ضروریات کو پوری کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ۔

نوید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ساتھ بازار کی طرف جا نکلا۔ وہاں ایک نوجوان عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور بولی: اے امیر المؤمنین میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے بچے چھوڑے ہیں جو ابھی اتنے چھوٹے ہیں کہ اپنا لقمہ بھی اپنے ہاتھ سے نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے باپ نے نہ زمین چھوڑی ہے نہ مویشی ڈرتی ہوں کہیں یہ بچے میری کسمپرسی کی نذر نہ ہو جائیں۔ میں حفاف بن ایما غفاری کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ نبی پاک ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں موجود تھے۔ حضرت عمران کی بات سن کر وہیں کھڑے ہو گئے۔ اس قریبی تعلق پر مسرت کا اظہار فرمایا اور پھر ایک اونٹ پر گھبوں کی بوری لدوائیں اور کچھ نقدی کچھ کپڑے اسکے ساتھ رکھوائے پھر اسکی باگ اسکے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا کہ اسکو لے جاؤ اسکے ختم ہونے سے پہلے تیرے پاس مزید سامان پہنچ جائے گا۔ ۱۸

اسلامی ریاست معاشی مساوات میں لوگوں کی صلاحیتوں اور ان کی مجبوریوں کا خاص خیال رکھتی ہے۔ اگر کوئی شہری اعلیٰ صلاحیتیں رکھتا ہے تو اسے اسکی صلاحیتوں کے مطابق فوائد حاصل ہوں گے اور اگر بے یار و مددگار ہے تو اسلامی ریاست اسکی کفالت کرتی ہے۔۔۔ ریاست ایک اہم معاشرتی ادارہ ہے جو ان کی تنظیم میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ۱۹

بنیادی تعلیم کا حق

اسلامی ریاست ہر شہری کی ابتدائی تعلیم اور ضروری تعلیم کی ذمہ دار ہے اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ موجود ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح اسلامی ریاست میں تعلیم کو عام کیا۔ مدینہ اور بیرون مدینہ میں بچوں اور بالغوں کی تعلیم کے مرکز کھولے گئے۔ تعلیم کو عام کرنے کے لیے حکومتی مناصب کے لیے تعلیم کو شرط قرار دیا۔ معاشرے کے ہر شعبہ میں شرف و تقدیم کا معیار علم کو ٹھہرایا۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے بعض کا تاوان جنگ ہی یہ مقرر فرمایا کہ وہ مسلم بچوں کو تعلیم دیں۔ بعض لوگوں کو اجنبی اور غیر ملکی زبانیں سکھائیں تاکہ حکومت کا کاروبار چلانے اور دوسرے لوگوں

سے خط و کتاب میں آسانی رہے۔ ۲۰
خلافت راشدہ کے دور میں تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھا اور مسلمانوں کے علم کے غلغلے سے پورا عالم گونجنے لگا۔ افسران حکومت بلکہ سپہ سالاران فوج کو بھی تعلیم جیسے اہم فریضے کی طرف پوری توجہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

خلفاء راشدین کی سیرت و عمل کی یہ باتیں تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

معصیت (گناہ) سے اجتناب کا حق

اسلامی ریاست کا کوئی رکن کسی شہری سے کسی برائی میں تعاون کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ (المائدہ ۵:۲)

پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ ۲۱

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی طاعت جائز نہیں۔

اس اصول کے تحت اسلامی حکومت کو یہ حق نہیں کہ کسی شہری سے ایسی اطاعت کا مطالبہ کرے جو شرعاً ناجائز ہو۔ نہ کوئی اعلیٰ افسر اپنے ماتحت کو کسی ناجائز کام کا حکم دے سکتا ہے۔ معیار حق اللہ اور اس کے رسول ہیں۔ کوئی اور شخصیت یا اقتدار یا ادارہ نہیں ہے۔ اسی طرح کسی ظالم کو یہ حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کا امام (سربراہ) بنے اگر بن جائے تو لوگوں پر اسکی اطاعت ضروری نہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ ۲۲

جب کسی مسلمان کو ناجائز کام کا حکم ملے تو نہ اس کا سننا واجب ہے اور نہ اطاعت کرنا۔

سیاسی کارفرمانی میں شرکت کا حق

اسلامی ریاست اپنے شہریوں سے مشورہ کرنے پر مامور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ“۔ (الشوریٰ ۳۸:۴۲)

دوسری جگہ ارشاد الہی ہے:

”وَسَاءَ ذُرْمُهُ فِي الْأَمْرِ“۔ ان سے معاملات میں مشورہ لیجئے۔ (آل عمران ۱۵۹:۳) پس اسلامی ریاست شورائی جمہوری ریاست ہے۔ جس میں عوام کو اعتماد میں لینا اور ان کے مشورہ سے نظام سلطنت کو چلانا از روئے شرع فرض ہے تاکہ لوگ محسوس کریں کہ وہ حکومت میں شریک ہیں نہ کہ محکوم۔ اسلامی ریاست کا سربراہ نہ آمر ہے نہ بادشاہ بلکہ وہ مسلمانوں کا خادم و امیر ہے۔ سید القوم خادمہم۔ اس کی زندہ مثال دور خلفاء راشدین ہے۔

آزادی اجتماع

اسلامی ریاست اپنے عوام کے اجتماع، جلسے و جلوس اور تنظیم پر پابندی نہیں لگائے گی بشرطیکہ اس سے ملک و ملت کی سلامتی کو حقیقی خطرہ نہ ہو۔ اختلاف آراء جب ناگزیر ہے تو اسکے اظہار کا طریقہ بھی آزاد ہونا چاہیے۔ اجتماع کا حق اظہار رائے کے لیے ضروری و لازم ہے۔ اجتماع میں نقل و حرکت کی آزادی بھی شامل ہے۔ سڑکیں، شاہراہیں، گلیاں، پارک، ہوٹل، تعلیم گاہیں، راستے، کھیل کے میدان اور تفریح گاہیں سب کے لیے کھلے ہوں۔ ۲۳

خلافت راشدہ میں حضرت عثمانؓ پر جس طریق پر تنقید ہوئی اور جس طرح ان سے سیاسی اختلاف کیا گیا وہ کوئی مخفی امر نہیں ہے۔ انہوں نے شہید ہونا گوارا کیا لیکن طاقت کے استعمال سے سیاسی اختلاف کو کچلا نہیں حالانکہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں خوارج نے جو قضیہ پیدا کر دیا وہ تاریخ کا المیہ ہے۔ ”إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ کے نعرے سے ابتداء کی اور حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے کفر پر انتہاء کی۔ حضرت علیؓ نے انہیں راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کئی مرتبہ ان سے گفتگو کے لیے بھیجا گیا۔ آخر کار حضرت علیؓ نے ان کو یہ پیغام بھجوایا:

”فارسل الیہم کونوا حیث شئتم ویبتنا ویبتکم ان لا تسفکو ادماً ولا تقطعوا سبیلنا ولا تظلموا احدا فان فعلتم نبذت الیکم الحرب“۔ ۲۴

تم کو آزادی حاصل ہے۔ جہاں چاہو رہو۔ البتہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرار داد ہے کہ ناجائز طور پر کسی کا خون نہیں بہاؤ گے، بد امنی پیدا نہیں کرو گے اور کسی پر ظلم نہیں ڈھاؤ گے اگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی سرزد ہوئی تو پھر میں تمہارے خلاف جنگ کا حکم دیدوں گا۔

”اسلامی ریاست اپنے مسلم شہریوں کو سیاسی اور مذہبی معاملات میں وہ آزادی دیتی ہے جس

میں کوئی فریب اور منافقت کا رفرمانہیں ہوتی۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ اسلامی ریاست اپنے مسلم شہریوں کو ارتداد کی اجازت نہیں دیتی کہ اس سے نظم معاشرت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔“ ۲۵

حقوق نسواں

آج کل حقوق نسواں کا بڑا چرچا اور شور برپا ہے۔ اس حوالے سے بھی دنیا کا کوئی نظام دین اسلام کا ثانی نہیں۔ چنانچہ اسلام نے عورت کو چار حیثیتوں کو تسلیم کیا ہے۔ اگر اس کی کوئی اور حیثیت ہے بھی تو وہ بھی ان چار حیثیتوں میں سے ایک سے خالی نہ ہوگی۔ وہ ماہِ بیوی، بہن اور بیٹی کی حیثیت میں پہچانی جاتی ہے۔ ماں کی حیثیت سے وہ انسان ساز ہے۔ اس کا کام انسان سازی ہے۔ اس اہم کام کا تقاضا ہے کہ وہ ۲۴ گھنٹے ڈیوٹی پر رہے۔ یہ ڈیوٹی اس قدر اہم ہے کہ اس کو اپنی تمام ضروریات سے لاپرواہ بنا دیا گیا ہے۔ اس نگرانی کی وجہ سے اس کا درجہ ان تمام اہم شخصیات کی طرح ہے جن کے سپرد انتہائی حساس اور اہم ترین قومی اور ملی امور ہوتے ہیں اور جن کی انجام دہی میں وہ ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ مثلاً بڑے بڑے دانشور، سائنس دان اور وزراء ایک خاص مقام تک محدود رہتے ہیں اور قومی اور ملی اہمیت کے معاملات کو سلجھانے کی فکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ یہ افراد خاص مقامات میں محصور رہتے ہیں اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں دانشور یا فلاں سائنسدان یا فلاں تاریخ نویس کو ایک خاص چار دیواری کے اندر بند کر کے اس کی آزادی کے حق پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ وطن عزیز کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر کو ایک خاص مقام تک محدود رکھا گیا ہے۔ اگر وہ بازار میں عام آدمی کی طرح نہیں پھرتا، شادی بیاہ میں حصہ لینے کیلئے وقت نہیں ملتا، عیش و عشرت کیلئے اس کے پاس وقت نہیں اور زیادہ تر وقت کیلئے ایک لیبارٹری کے اندر قومی و ملی اہمیت کے مسئلے پر غور و خوض کرتا ہے تو یہ اس کی اہمیت اور قدر قیمت کی علامت ہے۔ یہ اس کی حق تلفی نہیں۔ (ڈاکٹر صاحب موصوف اب اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ ادارہ) دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں یہ تمام خاص مقامات تک محدود رہے۔ امام سرخسیؒ نے تیس (۳۰) جلدوں پر مشتمل کتاب ”المبسوط“ کنویں سے اپنے شاگردوں کو املاء کرائی۔ امام طبریؒ نے اگر چالیس سال تک روزانہ چالیس (۴۰) صفحے لکھے تو انہوں نے یہ کام ایک مشن کے تحت کیا ہوگا۔ وہ ایک عام آدمی کی طرح نہیں تھے جو سربازار پھرنے، شمع محفل بننے اور وقت ضائع کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

انسان سازی کا کام ماں کے بغیر کوئی اور نہیں کر سکتا۔ وہ تو بچے کے لئے محبت کا سمندر اور عزت و شرف کا پہاڑ ہے۔ بچے کی پرورش میں اس کی قربانی لاغاثی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کو کہا گیا ہے کہ چونکہ ماں نے اپنی پوری زندگی آپ کو زندگی دینے کیلئے صرف کی ہے اس لئے اگر تمہیں جنت

جانے کی فکر ہے تو وہ آپ کو اپنے گھر کے اندر مل سکتی ہے۔ دور جانے کی ضرورت کیا ہے۔
 ماں کی موجودگی میں اگر اولاد جنت کے حصول میں ناکام ہو جاتی ہے تو یہ ان کی بہت بڑی
 بد قسمتی ہوگی۔ (۲۶) ماں کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی یہاں تک کہ اف کہنا بھی جنت سے محرومی
 کا سبب بن سکتا ہے (بنی اسرائیل: ۲۳)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرے حسن
 سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں۔ بولا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں، بولا
 پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں، بولا پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ (۲۷)

عورت کی دوسری حیثیت بیوی کی ہے۔ بیوی ایک ایسی نعمت ہے جس کے پہلو میں قرآن
 کے مطابق شوہر کو سکون ملتا ہے۔ قرآن نے سکون دو چیزوں میں بتایا ہے اللہ کی یاد اور عورت کے
 پہلو میں (الرعد: ۲۸، الروم: ۲۳)

انسان جب کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کیلئے لباس بن جاتے ہیں۔
 عورت کی تیسری حیثیت ایک بیٹی کی ہے جو والدین کیلئے رحمت ہے۔ جو والدین ایک بیٹی کی
 پرورش کرتے ہیں، تعلیم دلاتے ہیں اور اس کی شادی کسی نیک انسان سے کراتے ہیں تو وہ قیامت کے
 دن نبی پاک ﷺ کے انتہائی قریب ہوں گے۔ (۲۸) نبی اکرم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جس کی کوئی
 انٹی (بیٹی یا بہن) ہو اور وہ اس کو زندہ درگور نہ کرے اور اس کی توہین نہ کرے اور اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح
 نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا (۲۹)

عورت کی چوتھی حیثیت بہن کی ہے جو اپنے بھائی کیلئے سراسر پیار اور دعا کا سرچشمہ ہے۔
 والدین کی غیر موجودگی میں بھائی اپنی بہن کی کفالت پرورش اور تحفظ ناموس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

اسلام عورت کو ان چار حیثیتوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور حیثیت ان کی
 طرح باعزت باوقار اور پرکشش نہیں ہے۔ اب صرف اس معاشرے میں امن و سکون اور اطمینان
 خوشگوار ماحول پایا جائے گا جہاں عورت کے ساتھ ان چار حیثیتوں میں سلوک روا رکھا جائے گا۔ مگر
 بد قسمتی سے عورت اپنی حیثیت اور پہچان ماں بیوی بیٹی اور بہن کی صورت میں بہت تیزی کھوتی ہوئی نظر
 آ رہی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب وہ اپنی حیثیت اور پہچان کسی اور غیر فطری شکل میں دھوٹنے کی
 کوشش کر رہی ہے۔ اس عمل نے اس کو عزت کا مقام دلانے کی بجائے اس کی شخصیت کا جنازہ نکالنے کی
 راہ ہموار کی ہے۔ اسلام نے عورت کو اتنا مقام دیا ہے کہ وہ ہر بزرگ عورت کو ماں Sister کہنے کی تعلیم

دیتا ہے اور ماں کہہ کر اس کو اس بات کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ وہ عورت قابل عزت قابل احترام اور قابل محبت ہے۔ ہر عورت کو بہن Mother کہنا اس بات کی علامت ہے کہ ہر مرد اس کی عزت مال اور جان کی حفاظت کا ضامن ہے۔ ہر نوجوان لڑکی کو بیٹی Daughter کہنا اس بات کا غماز ہے کہ اس کے ساتھ بیٹی جیسی محبت بیٹی جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور اس کی عزت و ناموس پر جان دی جاسکتی ہے۔

اس طرح کسی عورت کے ساتھ شریعت کے مطابق نکاح کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ زندگی کا بااعتماد و معاون اور پیار کرنے والا ساتھی ہے۔ اور شوہر کیلئے اس کے پاس ایسی چیز یعنی سکون موجود ہے جو کروڑوں روپے دے کر بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

مگر بد قسمتی سے بعض لوگ عورت کو اس حیثیت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ اس کو اس عزت و احترام والی حیثیت سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس کو اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس کو آزادی اور حقوق نسواں کے نام پر اس قدر ذلیل و خوار کیا کہ اس کو اپنی اصل حیثیت پر لانے میں بہت عرصہ لگے گا۔

عورت معاشرے کے اندر دوسرے کام بھی کر سکتی ہے مگر یہ اس کی اضافی ذمہ داریاں ہوں گی۔ ان اضافی ذمہ داریوں میں بھی اس کو اپنی اصل حیثیت ماں بیوی بیٹی اور بہن کی شکل میں برقرار رکھنا ہوگا۔ اس کی یہ حیثیت ایک ایسی حیثیت ہے جو اس کی بڑائی اور شرافت کی ضامن ہے۔

مغربی معاشرے میں خاندانی نظام (Family System) مکمل درہم برہم ہو چکا ہے وہاں پر عورت کو ماں بیوی بیٹی اور بہن کی حیثیت میں نہیں پہچانا جاتا۔ وہ تو اب عورت کے روپ میں مرد بن گئی ہے جس کو وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو مردوں کو بھی نہیں کرنا پڑتا۔ ان کے ہاں وقتی طور پر ہر جگہ آباد نظر آ رہی ہے۔ مگر گھر عام طور پر غیر آباد ہوتے ہیں۔ ان کو تالے لگے ہوتے ہیں۔ اب ان کی کوشش یہ ہے کہ جیسے انہوں نے اپنے خاندانی نظام کو تباہ و برباد کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ماں اور بیوی کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ اس طرح وہ مشرق میں بھی خاندانی نظام کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں تاکہ عورت اپنی اصل اور فطری حیثیت کھو کر ایک غیر فطری حیثیت اختیار کرے اور اس ”نیک کام“ میں مشرق کے چند زعماء اور معاشرے کے چند سرکردہ افراد ان کا گرجوشی سے استقبال کر رہے ہیں۔ دانائی اس میں ہے کہ عورت کو اس تباہی سے بچایا جائے اور اس کو اسی حیثیت میں رہنے دیا جائے جو اس کو اسلام نے دی ہے۔

اسلامی ریاست میں عوام کے فرائض

سمع و طاعت

اسلامی ریاست کے باشندوں پر ضروری ہے کہ وہ ارباب اقتدار اور خلیفہ کا حکم مانیں۔

اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ (النساء: ۵۹)

(اے ایمان والو! اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحب امر ہیں)

حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ:

”بَايَعَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعَسْرِ وَالْيَسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ“ (۳۰)

(یعنی ہم سے رسول اللہ ﷺ نے سماع و طاعت (ماننے اور تعمیل کرنے) کا عہد لیا، تنگی فراخی دشواری اور آسانی ہر حال میں)

اور ایک حدیث میں فرمایا:

”سَنُوا اور اطاعت اگرچہ تم پر جہشی غلام مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں حکم دے (۳۱)

اور مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد ہوا۔

ہر مسلمان پر صاحب امر کی اطاعت ضروری ہے جب کہ وہ برائی کا حکم نہ دے اگر وہ برائی (معصیت) کا حکم دے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا۔ (۳۲)

قانون کی پابندی

قانون کی پابندی بلا تفریق ہر شہری کا فرض ہے اس کے بغیر نہ امن قائم رہ سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی عمارت صحیح بنیادوں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔ (الاعراف: ۵۸)

یعنی زمین میں اس کی اصلاح ہونے کے بعد فساد نہ کرو۔

اور یہ بھی ارشاد ہے:

”إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ“ (المجادلہ: ۵۸)

(جو لوگ اللہ اور رسول اللہ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف ورزی کرتے

ہیں وہ ذلیل ترین لوگ ہیں۔

یعنی جس طرح گذشتہ امتوں میں سے اللہ و رسول کے مخالفوں کو ذلیل و تباہ کیا گیا ان کا شمار بھی انہی اہل ذلت میں سے ہوگا اور ان کے حصے میں دنیا و آخرت کی ذلت کے سوا کچھ نہ آئے گا۔ اچھے شہری کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ وہ خود قانون کی تابعداری کرے بلکہ اس سے یہ بھی امید ہوتی ہے کہ وہ حکومت کے قوانین کے نفاذ میں مدد کرے اور قانون شکنی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے حکومت کا ہاتھ بٹائے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی ہرگز کوشش نہ کرے۔

وفاداری اور خیر خواہی

عوام پر فرض ہے کہ اسلامی ریاست سے دلی خیر خواہی رکھیں، اس کے صحیح معنی میں وفادار رہیں اور دل و جان سے اسکی بھلائی چاہیں اسکی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہیں۔ اسکے ساتھ دلی وابستگی رکھیں اور اسکے نقصان کو ہرگز گوارا نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

”الدین النصیحة للعلو لرسوله ولکتابه ولائما للمسلمین وعامتہم“ ۳۳

دین کا نام ہے اللہ، رسول، مسلمانوں کے حکام اور عوام سے خیر خواہی کا۔

پس کسی سازش، تحریک یا کاروائی اور فتنہ و فساد میں حصہ لینا ان کے لیے جائز نہیں، ہر صحیح مشورہ نیک صلاح، درست تجویز پیش کرنا لازم ہے اور حکام کی اصلاح کرنا انہیں راہ حق سے منحرف نہ ہونے دینا اور سیدھے رکھنے کی کوشش کرنا شہریوں کا فرض ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہی صحیح خیر خواہی اور وفاداری ہے نہ یہ کہ انہیں خدا بنا کر پوجا جائے اور ہر برائی میں ان کا ساتھ دیا جائے یہ دارِ صل ان کی بدخواہی اور ان سے بے وفائی ہے۔

تعاون و ایثار

ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اسلامی ریاست سے اچھے کاموں میں تعاون کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فَعَاوُنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوُنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ (المائدہ ۲:۵)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو۔

اسلام نے ریاست کا ادارہ اس لیے قائم کیا ہے کہ نیکی کے لیے اجتماعی کوششیں بروئے کار لائی جائیں اجتماعی کام عوام الناس کے تعاون سے ہی چل سکتا ہے۔ اس لیے شہریوں کو اپنی تمام تر صلاحیتوں اور خدمات سے اسلامی ریاست کا ساتھ دینا واجب ہے۔ حکام کو اپنی تمام قابلیتوں کی پیش کش ہی وہ طریقہ ہے جس سے وہ اپنا کام اور ریاست کے مقاصد پورا کرنے سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ نیز شہریوں کا فرض ہے کہ کسی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ وقت آنے پر جان و مال کو پیش

کریں۔ دفاع وطن میں خون کا آخری قطرہ اور مال کی آخری کوڑی بھی صرف کر ڈالیں۔ حکومت کے کاموں میں مال لگائیں۔ اجتماعی فلاح و بہبود کے کاموں میں اپنے مال کو اپنا نہیں بلکہ سب کا مال سمجھتے ہوئے کھلے دل سے خرچ کریں۔ کتاب و سنت کے بے شمار دلائل اس پر قائم ہیں کہ ضرورت کے موقع پر جان و مال سے دریغ کرنے والے منافق ہیں۔

فوجی خدمات

مملکت کا تحفظ سب سے اہم فریضہ ہے۔ اس لیے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ بیرونی حملہ کے وقت ملک کے دفاع میں ہر ممکن کوشش کرے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (الانفال: ۶۰)

تم ان کے مقابلے کیلئے مقدور بھرتیاری کرو (ہر قسم کی) قوت کے ذریعے اور گھوڑے باندھ کر تاکہ تم اس سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

”مَّا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ افْعَوْا فِى سَبِيلِ اللَّهِ اِنَّا فَعَلْنَا لَآلِئًا“۔ (توبہ: ۳۸)

تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تم زمین پکڑ لیتے ہو۔

اسی طرح فرمایا:

”وَقَاتِلُوا فِى سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ“۔ (البقرہ: ۱۹۰)

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ درج ذیل امور اسلامی ریاست کے شہریوں کے فرائض میں داخل ہیں:

- ☆ اسلامی ریاست میں رائج الوقت قانون کی پابندی کرنا اور امور مملکت میں تعاون کرنا۔
- ☆ امن عامہ کو ہر صورت میں قائم کرنا۔
- ☆ بوقت ضرورت جہاد میں شامل ہونا اور مالی و جسمانی اور دیگر اقسام کی قربانیاں دینا۔
- ☆ ملک کی بہتری و فلاح کے لیے تعلیم و تربیت حاصل کرنا۔ صحت کو قائم رکھنے کے لیے تمدنی شعور پیدا کرنا۔
- ☆ ملکی ضروریات پورے کرنے کے لیے مالی لحاظ سے مدد کرنا یعنی ٹیکس وغیرہ ادا کرنا۔

۳۲۰

حوالہ جات

- Encyclopaedia of Social Science, V-14 P-328 ۱
- IBID ۲
- شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقی/۴۴، مطبع مصر ۳
- صحیح البخاری مع الفتح، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل استقبال القبلة، ۲۹۶/۱، دار الفکر ۴
- صحیح البخاری مع الفتح، کتاب الحج، باب الخطبہ ایام منی، ۵۷۳/۳ ۵
- ۶- (الف) کتاب الخراج بحوالہ پروفیسر منظور احمد: مقالات علوم اسلامیہ، ص ۸۵، علی کتب خانہ لاہور
- ۶- (ب) عبد السلام ہارون۔ تہذیب سیرۃ ابن ہشام، ص ۱۲۰، الریحق الختوم، ص ۱۸۳، دار السلام ریاض، ۱۹۹۴ء
- ۷- الترمذی، ابواب البر، باب ما جاء شفقۃ المسلم علی المسلم، ص ۲۸۶، طبع کراچی
- ۸- ابوداؤد، کتاب الادب، ابواب منی عن الحسن، ص ۳۸۵، (مطبقة السعادة - مصر)
- ۹- امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست، ص ۱۶، طبع لاہور۔
- ۱۰- ابوداؤد، کتاب الاقضية، ص ۳۲۷، (مطبقة السعادة - مصر)
- ۱۱- امام ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۰۷، طبع بلاق، ۱۳۰۲ھ
- ۱۲- بیگل محمد حسین: عمر الفاروق، ۲/۲۱۹، (طبع مصر)
- ۱۳- مسلم، کتاب الحج، باب قطع يد السارق، ۳/۱۳۱۵، المجتہد العلمیہ، سعودی عرب
- ۱۴- ابوعبید قاسم، کتاب الاموال، ص ۱۲، دار الفکر بیروت، ۱۹۷۵ء
- ۱۵- بشیر ساجد۔ عشرۃ نبشرۃ، ص ۲۸۸-۲۸۹، البدر پبلیکیشن لاہور۔ ۲۰۰۰ء
- ۱۶- امام ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۲۵
- ۱۷- ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب فی میراث ذوی الارحام، ۲/۴۰۱
- ۱۸- صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحديبية، ۷/۳۳۵-۳۳۶
- ۱۹- خالد علوی۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۳۱، مکتبہ علمیہ لاہور
- ۲۰- مسند احمد، ۱/۲۳۷، السیرۃ النبویہ لابن الحسن ندوی، ص ۱۸۸
- ۲۱- مسند احمد، ۵/۶۶
- ۲۲- مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء، ۳/۱۳۶۹، البخاری، کتاب الاحکام
- ۲۳- پروفیسر میاں منظور احمد: مقالات علوم اسلامیہ، ص ۹۳، علی کتب خانہ لاہور۔
- ۲۳- الشوکانی۔ نیل الاوطار، ۷/۱۳۹
- ۲۵- خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۳۳، مکتبہ علمیہ لاہور
- ۲۶- جامع الترمذی، باب ۱۰۰، باب رغم انف رجل ذکر عنده، ص ۲۰۱۶، موسوعۃ الحدیث الشریف
- الملتکب النبی دار السلام لاہور
- ۲۷- بخاری، کتاب الادب، باب من اتق الناس بحسن الصحیۃ، ص ۵۰۶
- ۲۸- بخاری، کتاب العقیق، باب فضل من ادب جاریہ، ص ۲۰۰
- ۲۹- ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیمان، ص ۱۵۹۹
- ۳۰- مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء، ۳/۱۱۳۷، البخاری، کتاب العقیق، باب نمبر ۲
- ۳۱- مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء، ۳/۱۳۶۸
- ۳۲- مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء، ۳/۱۳۶۹
- ۳۳- مسلم، کتاب الايمان، باب ان الدين النصیۃ، ۱/۷